اظہر جاوید کی یاد میں اردو اکیڈمی کی ایک نشست

رپورٹ : مصباح الرحمٰن

پھر سے سماعتوں میں کوئی راگنی چھڑے   پھر دھڑکنوں میں کوئی کھنک سی مچل پڑے

پھر کوئی فون آئے نوید بہار دے   بے چین آرزوؤں کو پھر سے قرار دے

بے چین آرزوؤں کو پھر سے قرار دے

سولہ فروری 2014 کی سہ پہر اردو اکادمی شمالی امریکہ کے زیرِ اہتمام مشہور صحافی، شاعر اور جریدے ماہنامہ " تخلیق "کے مدیر جناب اظہر جاوید کی یاد میں منعقد ہونے والی تقریب کا آغاز تاشی ظہیر صاحب نے مرحوم کی نظم "آوازِ دوست "سے کیا۔ تاشی صاحب نے بتایا کہ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ اپنے الفاظ میں مرحوم دوست اظہر جاوید کی داستانِ حیات سامعین کی خدمت میں پیش کرتے لیکن ایسا کرنا ناانصافی ہوتی، اُس شخص کے ساتھ جس نے تمام عمر دوستیوں کے بیج بوئے۔ وہ جو دوستوں کے لئے جیتا تھا اور بقول ڈاکٹر کیول دھیر صاحب " محبتیں تخلیق کرتا تھا"۔

اس لئے انہوں نے اپنی گفتگو کے درمیان، مرحوم اظہر جاوید کے بارے میں اُن کے دوستوں اور مشاہیرِ اردو ادب کے مضامین سے اقتباسات بھی سامعین کی خدمت میں پیش آئے۔

اظہر جاوید صاحب کے دوست غیر موجود ہوتے ہوئے بھی اظہر جاوید کی محفل میں شامل ہو گئے۔ تاشی صاحب نے کہا کہ یوں تو اظہر جاوید صاحب کی تمام زندگی ان ہی کے اِس شعر سے بیان ہو جاتی ہے۔

نام و نمود سے تو رہے بے نیاز ہم — گم نامیوں میں ڈوب کے شہرت تلاش کی

لیکن چونکہ کیلیفورنیا کے سامعین ان کے نام سے واقفیت کم کم ہی رکھتے ہیں اس لئے تفصیلات بیان کئے بغیر ان کی شخصیت کا خاکہ شاید ادھورا سا لگے۔

اظہر جاوید صاحب کے محترم اور عزیز دوست اور مشہور نقاد جناب ڈاکٹر انور سدید کی تحریر سے مستعار لیتے ہوئے تاشی صاحب نے اظہر جاوید صاحب کی 4 جنوری 1948 کو راولپنڈی میں پیدائش سے لے کر ابتدائی تعلیم، ادبی ذوق کی پرورش، شاعری کا آغاز اور گاؤں سے سرگودھا شہر نقل مکانی تک کی تفصیلات یوں بیان کیں۔

"اظہر جاوید 4 جنوری 1938 کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ اُن کا آبائی گھر سرگودھا کے نواح میں قصبہ بھاگٹانوالہ میں تھا۔ پرائمری کی تعلیم گوجرانوالہ میں حاصل کی۔ پھر آبائی گاؤں میں ننھیال کے ساتھ سکونت اختیار کی۔

میٹرک کرنے کے لئے سرگودھا آئے تو ایک مقصد تلاش معاش بھی تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے سرگودھا کے اخبارات "شعلہ "اور " نظامِ نو "سے وابستگی اختیار کی پھر لاہور ہجرت کی۔ اور اخبار " کوہستان "میں نامہ نگاری کی۔"

1995 میں ایک ادب رسالے "رابطہ "میں اظہر جاوید اپنا تعارف یوں کرواتے ہیں:

"اب تک بے سبب زندگی کا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہوں۔ چھوٹے چھوٹے کام کئے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ ہفت روزہ اور ماہانہ رسائل میں بھی نوکریاں کیں۔ ڈائجسٹ پرچوں سے رزق کمایا، فلمی رسالوں میں جھک ماری۔ بہت پاپڑ بیلے۔ کئی روزناموں میں کالم لکھے۔ 15 برس "امروز "میں بھی کام کیا اور اتنے ہی سال اُن کے "میگزین "کا انچارج بھی رہا۔

فلمی صحافت کے حوالے سے

FILM JOURNALISTS ASSOCIATION اور FILM JOURNALISTS GUILD

کا عرصے تک جنرل سیکرٹری رہا۔

شعری مجموعہ اشاعت پذیر نہ ہونے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اظہر جاوید نے کہا "جب کوئی ڈھنگ کا شعر کہہ لوں گا یا کوئی اچھی نظم یا غزل ہوگی تو مجموعہ بھی آ جائے گا۔ بے کار کتابوں میں ایک اور کا اضافہ کیا کرنا۔"

تاشی صاحب نے کہا کہ "عجز و انکساری کی ایسی مثال عہدِ حاضر میں شاید ہی کہیں ملے۔"

ڈاکٹر انور سدید صاحب کے حوالے سے تاشی صاحب نے بتایا کہ "سرگودھا میں اظہر جاوید کسی مہہ جبیں کو دل دے بیٹھے۔ وارداتِ عشق سنجیدگی کے مراحل میں داخل ہو کر خانہ آبادی تک پہنچ چکی تھی کہ خاتون ملازمت سے استعفیٰ دے کر انہیں اور سرگودھا کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ گئیں۔"

اظہر جاوید اس حادثے سے دل برداشتہ ہو کر اپنی خالہ کے پاس کوئٹہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد واپس لاہور کا رُخ کیا۔

اس دوران اُن کے نہایت عزیز دوست مرزا ادیب اور یونس جاوید صاحبان نے اظہر کے ٹوٹے دل کو جوڑنے کے لئے اُس زمانے کے آزمودہ نسخے پہ کام آیا اور کہیں جاننے والوں میں اُن کی خانہ آبادی کا سلسلہ طے کر دیا۔ اس شادی میں اظہر جاوید کی جانب سے برات کل چار اصحاب پر مشتمل تھی۔ مرزا ادیب، یونس جاوید، صفدر طاہر اور عبدالسلام مرحوم۔

اتفاق کی بات ہے کہ شادی کے فوراً بعد ہی، بیروزگاری ایک بار پھر اُن کے گھر آن بسی۔

کچھ عرصے بعد انہوں نے تعلقاتِ عامہ کا کام کیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دنوں کچھ عرصہ اظہر جاوید نے ٹی وی کے چند ڈراموں میں بھی کام کیا۔

اظہر جاوید نے کئی رسالوں کی ادارت کی، اخباروں میں رپورٹنگ کی، کالم لکھے، روزنامہ امروز کے میگزین کے ایڈیٹر رہے اور کچھ عرصہ "ادبِ لطیف" اور "تخلیق" دونوں رسالوں کے بیک وقت مدیر بھی رہے۔

ادبی پرچے " تجدید نو " کی مدیرہ، مشہور افسانہ نگار اور ناول نگار محترمہ عذرا اصغر کے مطابق "اظہر جاوید کی ادبی صلاحیتوں کو اجالنے میں اظہر جاوید کی والدہ ماجدہ کا بھی بہت دخل ہے"

"اظہر کی کردار سازی میں ان کی والدہ کی ہوش مندی اور خوش سلیقگی کا اثر نمایاں ہے۔ ذوق نفاست تہذیب، شائستگی، رکھ رکھاؤ، طبیعت کا سبھاؤ، اپنے پرایوں سے ہمدردی شگفتہ مزاجی اور شفقت والدہ ہی سے ورثے میں ملی ہیں۔"

"اظہر بے حد زندہ دل اور ہنسنے ہنسانے والا انسان تھا۔ اس کی صحبت میں رہنے والوں کو ایسا لگتا تھا جیسے خوشیاں بانٹنا اس کی زندگی کا مشن ہو۔ لیکن اندر سے یہ شخص کس قدر ٹوٹا پھوٹا تھا یہ کم لوگ ہی جانتے ہوں گے۔ بقول احسان دانش مرحوم :

کہیں ہنستے ہوئے چہروں سے نہ دھوکا کھانا دل ٹٹولو گے تو مل جائیں گے ناسور بہت

تاشی صاحب نے بتایا کہ عابد حسن منٹو صاحب کے مطابق :

"اظہر جاوید کی شخصیت میں اجنبیت نہیں تھی۔ وہ دوستوں کا دوست تو تھا ہی۔ اس پر اُس میں ایک خاص قسم کی گرم جوشی تھی جو وہ ہر ملنے والے کو بانٹتا تھا۔"

جناب افتخار مجاز نے لکھا:

"اظہر جاوید نہ بے وسیلہ تھا اور نہ بے حیثیت، اس کا دامن خلوص اور محبت اور ایثار کی دولت سے مالامال تھا۔ اس نے کبھی کڑے دنوں میں بھی دوستوں کو آزمائش میں نہیں ڈالا۔ وہ ان کے لئے راحتیں تلاش کرتا تھا اور آسانیاں پیدا کرتا تھا۔"

اس کے بعد تاشی صاحب نے مشہور مزاح نگار ڈاکٹر یونس بٹ کے مضمون کے اقتباسات پڑھ کر سنائے۔

"اس قدر خوش اخلاق ہے کہ مردوں تک سے ہنس کے باتیں کرتا ہے۔ بحیثیت شاعر اس کا قد دوسروں کا قد بڑھانے میں صرف ہوا"

تاشی صاحب نے بتایا کہ جب اظہر صاحب کو پہلی بار ہارٹ اٹیک ہوا تو مشہور نقاد ڈاکٹر سلیم اختر نے جو اس وقت "رائٹرز ویلفیر فنڈ" کے ممبر تھے، اظہر جاوید کو 30 سے 50 ہزار روپوں تک کی امداد کی پیش کش کی جسے لینے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اظہر جاوید کی عزت نفس سے مالا مال خود دار طبیعت کو سراہتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ وہ شخص تھا جس نے

خودی نہ بیچی، غریبی میں نام پیدا کیا۔

تاشی ظہیر صاحب نے بتایا کہ اظہر جاوید کے شعری مجموعے "غمِ عشق گر نہ ہوتا" کی اگست 2004 میں اشاعت کے سلسلے میں کئی "گناہگاروں" کے نام آتے ہیں۔

بنیادی طور پر ان کے عزیز دوست، ایک ہی خاندان کے چار افراد محترمہ لبنیٰ جاوید، جناب جاوید منظور، ڈاکٹر روبینہ طاہر اور جناب طاہر منظور شامل ہیں۔ سرورق کے لئے محترمہ سلیمہ ہاشمی، صفدر حسین، مالک الحمد پبلیکشنز اور ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا صاحب، ان سب خواتین و حضرات کی محبتوں اور محنتوں کے طفیل یہ مجموعہ بالآخر شرمندۂ اشاعت ہو سکا۔

مشہورِ زمانہ صحافی اور ادیب جناب حمید اختر کے مطابق:

"اظہر جاوید باقاعدہ اور مستند شاعر ہونے اور ایک مشہور ادبی جریدے کا مدیر ہونے کے باوجود اپنے اشعار سنانے ہی سے نہیں بلکہ اپنے رسالے میں بھی اپنی تخلیقات شائع کرنے سے برابر گریز کرتا تھا۔"

انہوں نے کہا کہ اظہر جاوید کے کلام کی خوبی اس کی آزاد نظموں میں بڑے بھرپور طریقے سے سامنے آئی ہے۔ اس سلسلے میں تاشی صاحب نے اظہر جاوید کی نظم "کاش" پیش کی۔

انہوں نے کہا کہ اظہر جاوید کی غزلوں میں بھی یہی سادگی اور پرکاری کارفرما نظر آتی ہے۔

وہ دو مصرعوں میں کہانیاں بیان کر دیتے ہیں۔

وہ محنت کش نہ جانے اب کہاں ہے　　　سڑک پہ خالی تھیلا رہ گیا ہے

اور

پرندے گھر کو واپس جا رہے ہیں　　　پرانے دکھ بہت یاد آ رہے ہیں

محترم ڈاکٹر انور سدید کے حوالے سے تاشی صاحب نے بتایا کہ :

"اظہر جاوید شاید واحد شاعر ہے جس کی غزلیں حسینوں مہہ جبینوں کے گلے میں تعویذ کی طرح لٹکی رہتی ہیں۔"

جناب فہیم شناس کاظمی کے مطابق :

"اظہر جاوید کا ہر شعر، ہر مصرعہ، سچائی کی زرتار روشنائی سے سرِ قرطاس جگمگاتا ہے۔

اظہر جاوید کے ہاں مجاز سے حقیقت اور حقیقت سے حقیقت اولیٰ تک کا کربناک سفر ہے اور اس سفر میں بابا بلھے شاہ، شاہ حسین کی روح کا درد، لہجے کا رچاؤ گھلا ہوا ہے۔"

تاشی صاحب نے مشہور شاعر اور نقاد جناب ڈاکٹر وزیر آغا کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ :

"دل سے نکلنے والی بات کی ایک آسان سی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ گفتگو کے انداز میں ادا ہوتی ہے۔پِٹی ہوئی تشبیہوں، پامال استعاروں اور پیش پا اُفتادہ لفظی ترکیبوں کا سنگھار کرکے نہیں آتی۔

اَن کہی کے کرب نے اظہر جاوید کی نظموں میں فریاد کی ایک ایسی پُرخلوص لے پیدا کر دی ہے جو پڑھنے والے کے دل کو مٹھی میں لے کر ہولے سے دبا دینے پہ قاصر ہے۔"

غلام محی الدین صاحب کے الفاظ میں :

"اگر ہم اظہر جاوید کی شاعری کا سب سے زیادہ غالب، پُراثر اور مضبوط حوالے جاننے کی کوشش کریں تو وہ بلاشبہ مسافت، دربدری اور اپنے گھر کے لئے تڑپ ہے جو ان کی زندگی کے تجربات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دل سوزی کا عکس ہے۔

کسی کے کاندھے پر سر رکھ کر آنسو آج بہاؤں میں
بھرے پُرے شہر میں اظہرؔ کس کو حال سناؤں میں

شام ہوئی سب بنجارے، سب پنچھی گھر کو لوٹ چلے
کاش کوئی میرا بھی گھر ہو، کاش کبھی گھر جاؤں میں

اردو زبان وادب کے فاضل استاد، شاعر اور نقاد جناب پرویز ڈاکٹر خواجہ محمد ذکریا نے اظہر جاوید کو جدید رومانی شاعر قرار دیتے ہوئے بتایا کہ ہمارا عہد رومانیت کا دشمن عہد ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اظہر جاوید کو اختر شیرانی، ساحر لدھیانوی، ابن انشاء، فیض اور فراز کی شاعری پسند تھی۔ ان کے خیال میں :

" غم عشق گر نہ ہوتا " کا شاعر دکھ، درد، ملال، تنہائی، ناکامی، محرومی اور عدم تحفظ کا شکار تھا۔

ڈاکٹر وزیر آغا نے ایک دل چسپ نکتہ پیش کیا کہ عاشق اپنی محبوبہ میں ایک آئیڈیل عورت کی جھلک دیکھنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور آئیڈیل عورت ماں کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جس طرح ماں ٹوٹ کر اپنے بچے سے پیار کرتی ہے اس کی مثال کسی اور انسانی رشتے میں نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں اظہر کی نظم "اے ماں " کا حوالہ دیتے ہیں جو تاشی صاحب نے سامعین کو پڑھ کر سنائی کوئی آنکھ نہیں تھی جو نم نہ ہو۔ سامعین میں کچھ لوگ سسکیوں سے رو رہے تھے۔

تاشی صاحب نے نظم کا آخری ٹکڑا:

ممتا کی بارش سے مرے

جیون کی یہ آگ بجھا دے

ماں ۔۔۔۔ اپنی آغوش میں لے کر

گہری میٹھی نیند سلا دے

تاشی صاحب نے بمشکل اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ "2 فروری 2013 کو اظہر جاوید کی یہ دعا قبول ہو گئی اور وہ دھرتی ماں کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے گہری نیند سو گیا۔"

اظہر کے دوست احباب سکتے کے عالم میں سوچ رہے تھے کہ زندگی سے بھرپور قہقہوں کی برسات کرنے والا اظہر جاوید زندگی سے روٹھ کیسے سکتا ہے؟"

اظہر جاوید کے دیرینہ دوست جناب یونس جاوید نے زخم دل سے رِستا ہوا غم یوں ہم تک پہنچایا،

"دل میں گرہیں پڑی ہیں، کروٹ لیتا ہوں تو بوجھ دوگنا ہو کر دل کے بھاری پن کو بڑھا دیتا ہے کیسے کہہ دوں کہ اجی چلا گیا۔ آدھی صدی پر محیط رشتہ یوں خس و خاشاک ہوتا ہے کہ جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔"

مشہور ادیب، شاعر اور سابقہ چیرمین اکادمی ادبیات جناب فخر زمان نے کہا" :آج اظہر ہم میں نہیں مگر اس کی یادیں اور مٹھاس بھرے جملے میرے کانوں میں گزرے کل کی طرح رس گھولتے محسوس ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر میں ادھورا سا لگنے لگا ہوں۔"

بھارت سے مدیر رسالہ اسباق اور مشہور ادیب جناب نذیر فتح پوری نے لکھا:

"اظہر جاوید محبتوں کا انسان تھا، احباب کے لئے جائے پناہ تھا۔ خلوص اور مہربانیوں کا منبع تھا۔ اردو کا عاشقِ زار تھا۔ قلندرِ بے مثال تھا۔ اس کی محبتوں کی پرواز ساری سرحدوں سے اوپر تھی۔"

قاہرہ میں مقیم مشہور شاعر اور اردو زبان و ادب کے استاد جناب ڈاکٹر اختر شمار نے کہا،

"کہتے ہیں بڑا وہ ہوتا ہے جس کے پاس بیٹھ کر کوئی بھی خود کو چھوٹا محسوس نہ کرے۔ اظہر جاوید بھی محبت کے ایک ایسا ہی شجر سایہ دار تھے۔ وہ دوستوں کا درد بانٹنے کا ہنر جانتے تھے۔"

اظہر جاوید کے بہت عزیز دوست، شاعر اور ادیب ڈاکٹر کیول دھیر صاحب کے الفاظ نے سامعین کے دلوں پر ایسا سحر کیا کہ ان کے دل محترمی کی اوت میں بھیگ بھیگ گئے۔ انہوں نے کہا،

"اظہر جاوید کی شخصیت میں پیار ایسے ابلتا تھا جیسے آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں دودھ۔ اُجلا، پاوتر اور مہکتا ہوا نور۔ وہ پیار کا بھگوان تھا اسی لئے بھگوان نے اُسے اپنی گلی میں بسایا ہوا تھا۔ اظہر جاوید محبت کا مرکز تھا۔ ہزار ہا ادب کی کونپلیں اس کے باغیچے سے اٹھ کر

پیڑ بنیں۔اس نے لوگوں کو بڑا بنایا خود کبھی بڑا نہیں بنا۔ وہ ایک سفید پوش، کم وسائل والا عظیم انسان تھا جس نے ساری عمر اپنے آدرش کی خاطر کبھی تھک کے سر جھکایا اور نہ ہی اپنے اٹھائے ہوئے بھاری بوجھ سے تھکن محسوس کی۔

تھوڑے وسائل سے وہ اپنی زندگی میں اتنا بڑا کام کر گیا کہ آج کل کی حکومتیں اپنے سارے لاؤ لشکر کے ساتھ بھی ایسے کام نہیں کر سکیں۔"

"وہ تنہا آدمی اپنے آپ میں ایک بھرپور شہر تھا۔ شہر بھی ایسا جسے لاہوری لئے لاہور "کہتے ہیں۔اظہر جاوید میرا لاہور تھا۔ میرے لئے اب سارا لاہور 'اظہر جاوید 'ہے۔"

سامعین کے دل بوجھل تھے اور آنکھیں اشک بار۔

تاشی صاحب نے جناب اظہر جاوید کی نظم "سفر "سامعین کی خدمت میں پیش کی۔

زندگی کا سفر ختم ہوتا نہیں

دربدر گھومتے، بے خبر گھومتے

اپنی راہوں کے سنگِ سفر چومتے

عمر گزری مری

وقت کی گرد بالوں پہ جمنے لگی

دھڑکنوں کی جوانی بھی تھمنے لگی

میرے چہرے کو ویرانیاں کھا گئیں

میری آنکھوں میں حیرانیاں چھا گئیں

منزلوں کا نشاں پھر بھی پایا نہیں

اور۔۔۔۔۔ میں لوٹ کے گھر بھی آیا نہیں

تاشی صاحب نے کہا "یوں محسوس ہوتا ہے کہ ماں کا گھر چھوڑنے کے بعد انہیں صحیح معنوں میں 'گھر' کبھی نہیں ملا۔

دربدری میں ان کا مقدر رہی اسی لئے شائد اپنے مجموعۂ کلام کا انتساب بھی انہوں نے "دربدری کے نام "کیا۔

" گھر "لوٹ جانے کی خواہش اظہر جاوید کی شاعری میں جا بجا ملتی ہے۔اور یہ تشنگی ہی ان کی شاعری کی روح ہے۔

کسی بھی شام کو اڑتے پرندوں سے کبھی پوچھیں ۔۔۔ کہ کیسا لطف دیتا ہے پلٹ کر اپنے گھر جانا
آوارگی کا شوق نہیں المیہ ہے یہ ۔۔۔ گھر ہے نہ کوئی گھر میں ہمارا ہے منتظر
ہم بے گھر یہ کیسے جانیں، گھر گھر موسم اچھا ہے ۔۔۔ دل بستی آباد اگر ہو، پھر ہر موسم اچھا ہے
پرندے گھر کو واپس جا رہے ہیں ۔۔۔ پرانے دکھ بہت یاد آ رہے ہیں
دن بھر کی بے ترتیبی کو پوچھنے والا کوئی تو ہو ۔۔۔ رات کو گھر جب دیر سے آؤں، روٹھنے والا کوئی تو ہو
کبھی تو میرے لئے وہ بھی بے قرار رہے ۔۔۔ میں چاہتا ہوں اسے میرا انتظار رہے
تمام عمر یونہی آنسوؤں سے کھیلا ہوں ۔۔۔ مرے لئے بھی کبھی کوئی اشک بار رہے

تاشی صاحب کی دعوت جناب نصیر ہمایوں نے مرحوم اظہر جاوید سے اپنی ایک ملاقات کا حال سنایا اور ان کی پُر خلوص شخصیت کے حوالے سے باتیں کیں اور پھر ایک غزل اور ایک نظم سامعین کی سماعتوں کی نذر کیں۔

آج کی محفل کی صدارت کا اعزاز جن دو حضرات کو دیا گیا، محمد علی حیدر نقوی اُن میں سے ایک تھے جو دہلی سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ نقوی صاحبِ علم و بصیرت ہیں اور بہت بڑے علمی و ادبی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ایک خاص بات یہ تھی کہ ان کے دو دوست جناب کیول دھیر اور جناب نارنگ ساقی، اظہر جاوید کے بھی عزیز ترین دوستوں میں سے ہیں۔ لہٰذا تاشی صاحب نے ان کے روپ میں اظہر مرحوم کے دونوں دوستوں کو بھی روحانی طور پہ اس محفل میں شامل کر لیا۔

نقوی صاحب نے اظہر صاحب کے حوالے سے مختصر گفتگو کی اور ان کی ایک نظم سامعین کو پڑھ کر سنائی۔

آخر میں تاشی صاحب نے مرحوم کے دوست مشہور شاعر جناب خالد خواجہ کو دعوت دی جنہوں نے اظہر جاوید کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا اپنے مخصوص اور دل گرفتہ انداز سے سامعین کے دلوں کو بھی گرمئ جذبات سے آشنا کر دیا۔

تاشی صاحب نے اظہر جاوید کے تخلیقی سفر کے حوالے سے ان کی تمام تخلیقات کا ذکر کیا اور ان اعزازات کا تذکرہ کیا جس سے انہیں نوازا گیا۔ حکومت کی جانب سے پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ کا اعلان ان کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا لیکن اس کی وصولیابی ان کے صاحبزادے جناب سونان اظہر نے کی۔

آخر میں تاشی صاحب نے مشہور صحافی، ادیب اور شاعر جناب محمود شام کی تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ:

"اظہر جاوید ایک جسم تھا جو اٹھ گیا لیکن وہ ایک روح ہے، تحریک ہے دیرپا ہے، اسے رواں رہنا چاہئے۔ یہ ہم سب کا فرض ہے اور سب سے بہتر خراج عقیدت بھی یہی ہے کہ تخلیق کی اشاعت کا سلسلہ نہ ٹوٹے۔"

تاشی صاحب نے اظہر جاوید کے صاحبزادے سونان اظہر کی محنت اور خدمات کو سراہتے ہوئے لوگوں سے سبسکرپشن کی درخواست کی۔ سامعین نے مکمل تعاون کا عزم کیا۔ اور تخلیق کی سالانہ خریداری کے لئے اپنے نام لکھوائے۔

تقریب کے دوران وقفے وقفے کے ساتھ اراکین اردو اکیڈمی نے جناب اظہر جاوید کا کلام تحت اللفظ اور ترنم میں سامعین کو سنایا۔ جناب سید میسم موساوی، محترمہ طلعت خان صاحبہ اور جناب نگیش اوادھانی نے اظہر جاوید کی غزلیں گا کر سامعین کے دل موہ لئے۔

کلام پیش کرنے والوں کے اسمائے گرامی ہیں:

جناب مبین خلیل، جناب ارشاد خان، جناب محترمہ معراج غزالی، جناب معیز خان، جناب منظر سلام، محترمہ لبنیٰ منظر، محترمہ کوثر سیّد صاحبہ، جناب عبدالستار غزالی، محترمہ نویدہ الٰہی، جناب ارشد رشید، محترمہ ڈاکٹر غزالہ انصاری، جناب احمر شہوار، محترمہ الماس شبوانی، جناب نصیر ہمایوں اور جناب محمد علی حیدر نقوی صاحب۔

محفل کا اختتام، تاشی صاحب نے سرفراز سیّد صاحب کے ان تین اشعار سے کیا :

اک قصہ ایسے پیڑوں کا جو سبز رُتوں میں چاک ہوئے
اک نوحہ شہر کے چھوٹوں کا جو فصلِ گل میں خاک ہوئے

کچھ باتیں ایسے خوابوں کی جو بیچ نگر میں ٹوٹ گئے
کچھ یادیں ایسے ہاتھوں کی جو بیچ بھنور میں چھوٹ گئے

ہم دشت طلب میں ٹھہر گئے، تم قریۂ جاں کے پار گئے
یہ بازی جان کی بازی تھی، تم جیت گئے ہم ہار گئے